ڈاکٹر معین الدین عقیل

سابق صدرِ شعبہ اردو، جامعہ کراچی، کراچی

ممتاز و منفرد فکشن نگار عزیز احمد کی فکری تاریخ نویسی

Prof. Dr. Moinuddin Aqeel

Ex HoD, Department of Urdu, University of Karachi, Karachi.

Distinguished and Unique Fiction Writer Aziz Ahmed's Intellectual History

Aziz Ahmed is an outstanding fiction writer who holds a unique place in Urdu fiction for his style and contribution. His creative works are adored and appreciated by a wide circle of readers and critics. He pens down the cultural historiography of South Asian Muslims and his grip of writing about the political and social life of this region and Europe is examplary one and holds great significance. This article critically examines, evaluates and analyses his works of Urdu fiction both novels and short stories along with his works related with literary criticism.

Keywords: *Fiction, Writer, Unique, Creative, Critics, Cultural, Histography, South Asian Muslims, Political.*

قرونِ وسطیٰ نے گزرتے ہوئے جنوبی ایشیا میں جو اکابر مفکرین و دانش ور ہمیں ودیعت کیے ہیں اور جن کے طفیل علم و ادب اور تاریخ نویسی نے اپنے ارتقا کی ایک قابلِ اطمینان صورت اختیار کی ہے، ان میں ایک منفرد اور ممتاز نام عزیز احمد (۱۹۱۳ء۔۱۹۷۸ء) کا بھی ہے جو اپنے شعبہ ہائے دل چسپی میں اپنے مثالی اور یادگار تصنیفی کاموں کے اعتبار سے شاید کبھی کسی صورت نظر انداز نہ کیے جا سکیں۔ انھوں نے اگرچہ محض اپنی تاریخ نویسی کے لحاظ سے ایک وقت عالمی سطح پر علمی و تصنیفی حلقوں میں اپنا ایسا نام پیدا کیا تھا کہ صفِ اول میں ہمیشہ ان کا شمار ہوتا رہا لیکن اپنی تاریخ نویسی سے قبل کے دور میں انھوں نے اپنے عہد کے اردو ادب پر اپنی تخلیقی کاوشوں کے ذریعے گہرے اور اَن مٹ نقوش ثبت کیے تھے لیکن جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کی تہذیبی و فکری تاریخ نویسی کے ضمن میں ان کے مطالعات نے ان کی حیثیت و اہمیت کو جدید عالمی و علمی مطالعات کے درمیان جلد اپنی جانب متوجہ کرنے میں مثالی کامیابی حاصل کی ہے۔ اگرچہ اولاً اُن کی خلّاقانہ صلاحیتوں نے اردو ناول اور افسانے کو نئی جہات دیں اور انھیں معیار کی بلندیوں پر پہنچایا تھا، پھر ان کے تحریر کردہ بعض ناول، مثلاً: ”گریز“، ”ایسی بلندی ایسی پستی“، ”آگ“ اور ”شبنم“ اور افسانوں میں، جن میں ”رقص ناتمام“، ”جب آنکھیں آہن پوش ہوئیں“، ”زر خرید“، ”آبِ حیات“، ”ستا پیسہ“ جیسے افسانے شامل ہیں،

اپنے بلند معیار کے لحاظ سے بجا طور پر اردو ادب میں لازوال افسانے شمار ہوتے ہیں۔ ادبی تنقید میں ان کی تصانیف: ''ترقی پسند ادب'' اور ''اقبال: نئی تشکیل'' اپنے موضوعات پر حقیقت پسندانہ نقطۂ نظر کے اظہار اور عمدہ تجزیہ نگاری کی بہترین مثالیں ہیں۔ شاعری بھی ان کی تخلیقی صلاحیتوں کے اظہار کا ایک ذریعہ بنی اور انھوں نے کئی عمدہ نظمیں تخلیق کیں جو ان کے شعری مجموعے: ''ماہ لقا اور دوسری نظمیں'' میں موجود ہیں۔ ان کی اس قسم کی تخلیقی و تصنیفی کاوشوں نے انھیں بیسویں صدی کے اردو ادب میں ایک منفرد اور بلند مقام عطا کیا ہے۔ لیکن محض یہ مقام ان کی منزل نہیں رہی۔ ان کی صلاحیتوں میں انھیں مزید بلندیوں تک لے جانے کی لیاقت اور قابلیت موجود تھی۔ چناں چہ ۱۹۶۲ء سے [۱] جب سے کہ انھوں نے ''لندن اسکول آف اورینٹل اینڈ افریقن اسٹڈیز'' میں اردو پڑھانے کے وقفۂ ملازمت کے خاتمے پر'' ٹورنٹو یونی ورسٹی'' (کینیڈا) کے 'شعبۂ معارفِ اسلامیہ' سے وابستگی اختیار کی، ان کی صلاحیتوں اور دل چسپی کا رُخ تخلیقِ ادب سے تاریخ نویسی کی طرف پھر گیا اور ان کی شخصیت میں اسلام اور بالخصوص جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کی تاریخ و تہذیب اور علم و فکر کو ایک متوازن اور حقیقت پسند تاریخ نویس، تجزیہ نگار اور مبصر مل گیا۔ یہ اسی وابستگی کا ثمر معلوم ہوتا ہے کہ ۱۹۶۲ء کے بعد عزیز احمد کی تمام تر توجہ تخلیق و تنقید ادب سے ہٹ کر جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کی تاریخ و تہذیب کے مطالعات اور تحقیقات کی طرف منعطف ہو گئی۔

یہ کہنا مشکل ہے کہ عزیز احمد کی بہترین صلاحیتوں کا اظہار آیا ادب و تنقید میں زیادہ ہوا ہے یا تاریخ نویسی میں۔ لیکن یہ واقعہ ہے اور اس میں کسی اختلافِ رائے کی گنجائش موجود نہیں کہ عزیز کو حقیقی ستائش، جس کے وہ ہر دو جگہ یکساں حق دار تھے، لیکن میرے خیال میں ادب و تنقید کے مقابلے میں تاریخ نویسی میں زیادہ ملی ہے اور یہ صرف پاکستان اور بھارت تک محدود نہیں، مغرب کی ترقی یافتہ علمی دنیا نے ان کی قدر و منزلت زیادہ کی ہے اور ان کی علمی و تحقیقی خدمات کا عام اعتراف کیا ہے اور بلاشبہ تاریخ نویسی میں عالمی سطح پر جو داد و تحسین اور عزت و وقار عزیز احمد کے حصے میں آیا ہے وہ پاکستان کے کسی اور مصنف یا محقق و مؤرخ کو اس قدر میسر نہ آسکا۔ جب کہ ان کے عین معاصرین میں اشتیاق حسین قریشی، کے کے عزیز، حفیظ ملک، خالد بن سعید وغیرہ بہر حال تاریخ نویسی کی موجودہ دنیا میں پاکستان کے حوالے سے پہچانے جانے والے والوں میں سے چند نامور اور ممتاز مصنف و تاریخ نویس ہیں۔

تاریخ نویسی میں عزیز احمد کا پہلا اہم کارنامہ ان کی تصنیف Studies in Islamic Culture in the Indian Environment ہے جو انھوں نے اپنے لندن کے دوران قیام میں لکھی، اس پر انھوں نے کینیڈا منتقل ہونے کے بعد ۱۹۶۲ء میں نظرِ ثانی کی اور یہ ۱۹۶۴ء میں شائع ہوئی [۲]۔ یہ تاریخ نویسی میں ان کی پہلی مبسوط کاوش تھی، جس نے انھیں علمی دنیا میں بے پناہ مقبولیت عطا کی اور یہ تصنیف ہند اسلامی تاریخ و تہذیب کے موضوعات سے ساری دنیا میں دلچسپی رکھنے والوں کی توجہ کا مرکز بن گئی۔ عزیز احمد کا تاریخی و تہذیبی شعور اس تصنیف میں خاصہ پختہ اور

نمایاں ہوا ہے۔ اس سے قبل ان کے اس شعور کا قدرے اظہار بالخصوص ان کے ناولوں ''گریز''[۳]، ''آگ''[۴] اور ''ایسی بلندی ایسی پستی''[۵] میں نظر آتا ہے جو ۱۹۴۳ء سے ۱۹۴۷ء کے درمیان لکھے گئے۔

''گریز'' پہلی اور دوسری جنگِ عظیم کے درمیانی عہد کے سیاسی اور تہذیبی ماحول کا ایک منتشر ترجمان ہے جو یورپ اور انگلستان کی سیاسی اور معاشرتی زندگی کے ایک پُرشور زمانے کا عکاس ہے اور جسے پڑھ کر وہ سیاسی اور معاشی محرکات سامنے آتے ہیں جو یورپ کے زیرِ اثر اس عہد کے عالمی مسائل تھے۔ اس کے ہندوستانی مرکزی کردار کو انگلستان کے دوران قیام میں پہلی بار نسلی امتیاز اور اپنی سیاسی محکومی کا شدید احساس ہوتا ہے اور وہ یورپ کی سیاسی اور معاشرتی اقدار کو ایک ہندوستانی کے نقطۂ نظر سے دیکھتا ہے۔ ''آگ'' میں مصنف نے کشمیر کے معاشرتی اور تہذیبی حالات اور مسائل کو، جن سے اہلِ کشمیر دوچار تھے، پیش کیا ہے۔ اس میں تحریکِ آزادی، انڈین نیشنل کانگریس اور مسلم لیگ کے باہمی تنازعات، قیامِ پاکستان کے امکانات کے علاوہ دوسری جنگِ عظیم کے تجربات و اثرات، معاشرتی استحصال اور داخلی اضطراب و انتشار اور اشتراکی نظریات کا نفوذ بھی نظر آتا ہے۔ اس ناول کا موضوع ۱۹۰۸ء سے ۱۹۴۵ء کے عرصے پر محیط ہے اور اس میں نہ صرف برعظیم بل کہ بیرونی دنیا میں رونما ہونے والی معاشرتی تبدیلیوں کے تناظر میں کشمیریوں کی زندگی، ان کے رجحانات اور نظریات کی تصویر کشی نظر آتی ہے۔ ان کے تیسرے اہم ناول ''ایسی بلندی ایسی پستی'' میں، جو مملکتِ حیدرآباد کے ماحول اور کرداروں کی عکاسی کرتا ہے، اس مملکت کے ایک عہد، تہذیب اور معاشرے کے تغیرات کو ایک خاصے وسیع اور متنوع تناظر میں پیش کیا گیا ہے۔ مشرقیت اور مغربیت کی کش مکش کے باعث اس ناول کا معاشرہ جس تضاد و انتشار اور قدروں کی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو گیا تھا، مصنف نے اس کی بڑی خوب صورتی سے عکاسی کی ہے۔ ان کی اس خصوصیت نے ان کی افسانوی تخلیقات کو حقیقت سے قریب کر دیا ہے۔ عزیز احمد کا یہی شعور ان کے بعض افسانوں میں بھی بہت نمایاں ہے اور خصوصاً ''مدن سینا اور صدیاں''، ''جب آنکھیں آہن پوش ہوئیں'' اور ''خدنگ جستہ'' ان کے ایسے افسانے ہیں جو تاریخی پس منظر میں لکھے گئے اردو کے نہایت معیاری اور کامیاب افسانے ہیں اور افسانہ نگار کے تاریخی و معاشرتی شعور کی بہتر ترجمانی کرتے ہیں۔

ادب کی افسانوی اصناف کے علاوہ تنقید میں بھی عزیز احمد کا تاریخی و معاشرتی شعور نمایاں ہوا ہے۔ اردو میں ان کی دو تنقیدی تصانیف ''ترقی پسند ادب''[۶] اور ''اقبال: نئی تشکیل''[۷] اپنے موضوع پر حقیقت پسندانہ اور معیاری تصانیف ہیں۔ اوّل الذکر اردو ادب میں ترقی پسند تحریک کے تنقیدی مطالعے پر مشتمل پہلی غیر جانب دارانہ اور معیاری مطالعے و تجزیے پر مشتمل تصنیف ہے، جس سے عزیز احمد کے فکری توازن کا اندازہ ہوتا ہے اور موخر الذکر تصنیف کو تنقید اقبالیات میں بلاشبہ ایک اہم تصنیف کہا جاسکتا ہے۔ عزیز احمد کی یہ دونوں تصانیف اپنے موضوعات کے تاریخی و معاشرتی تناظر میں لکھی گئی تھیں اور ان سے ان حالات و مسائل پر روشنی پڑتی ہے، جن سے ان کتابوں کے

موضوعات کا تعلق ہے یا جن سے ترقی پسند ادب اور اقبال کی فکر اور شاعری نے اثرات قبول کیے اور اپنا کردار ادا کیا۔ یوں دیکھا جائے تو ان دونوں کتابوں میں بیسویں صدی کے تقریباً تمام اہم مسائل اور حالات کا احاطہ نظر آتا ہے جن سے اردو ادب اور اقبال کی فکر متاثر ہوئی۔

دوسری جنگِ عظیم نے سیاست، تہذیب اور معاشرے کو جس طرح متاثر کیا تھا، اس کے اثرات اور مناظر مختلف صورتوں میں عزیز احمد کے مذکورہ ناولوں اور ان کی تنقیدی کتابوں میں نظر آتے ہیں، لیکن عزیز احمد کی فکری پختگی کے اوّلین دور کا ایک اہم واقعہ عالمی سطح پر جنگِ عظیم دوم کا سانحہ تھا، جس سے انسانی زندگی کے تقریباً تمام شعبے متاثر ہوئے۔ چناں چہ اس جنگ کا ایک بڑا واضح اثر ان کی ایک تصنیف ''نسل اور سلطنت'' میں نظر آتا ہے جو انھوں نے دوسری جنگِ عظیم کے آغاز میں اردو میں تحریر کی اور یہ ۱۹۴۱ء میں شائع ہوئی۔ اس تصنیف میں عزیز احمد نے تاریخ اور سیاست کے حوالے سے نسل کے تصور کا تاریخی اور تحقیقی و تنقیدی تجزیہ تحریر کیا تھا۔ اردو میں اپنی نوعیت اور اپنے موضوع پر یہ پہلی مستقل تصنیف تھی۔ اس کا محرک دوسری جنگِ عظیم کے پس منظر اور اس کے دوران اڈولف ہٹلر کی جرمن استبدادی حکومت کا نسلی برتری کا تصور تھا، جسے جرمن مفکرین نطشے، ہیگل اور ترائی شکے کے افکار نے وسعت اور توانائی بخشی تھی۔ عزیز احمد کے تجزیے کے مطابق ہٹلر اور اس کے ساتھیوں نے نسل کے تمام سابقہ تصورات کو پھر سے نئی زندگی دی تھی اور دوسری جنگِ عظیم دراصل جرمنوں کی نسل پرستی کا ایک افسوس ناک نتیجہ تھی۔ عزیز احمد کے خیال میں، اس کتاب کی اشاعت کے وقت، جب کہ جنگ عروج پر تھی، اگر اس جنگ میں جرمنی کو کامیابی حاصل ہو گئی تو دنیا معاشرتی لحاظ سے چار طبقوں میں تقسیم ہو جائے گی۔ سب سے بلند طبقہ جرمن حکمرانوں کا ہو گا، دوسرا تمام جرمنوں کا ہو گا، جن کو دنیا کی تمام اقوام پر نسلی اور حاکمانہ برتری حاصل ہو گی، تیسرا طبقہ غیر جرمن یورپی اقوام کا ہو گا اور چوتھا طبقہ دنیا کے غیر یورپی باشندوں کا ہو گا، جن کی حیثیت غلاموں سے بدتر ہو گی۔ چنانچہ عزیز احمد کے خیال میں دنیا اس خطرہ سے صرف اسی صورت میں محفوظ رہ سکتی ہے، جب جمہوریت کامیاب ہو اور نسل پرست آمریت کا خاتمہ ہو جائے۔

ادب سے ہٹ کر تاریخ و تہذیب کے موضوع پر عزیز احمد کی یہ پہلی مبسوط اور جامع تصنیف تھی۔ یہ بظاہر تاریخ اور سیاست میں نسل کے تصور کے ارتقائی جائزہ پر مشتمل ہے، لیکن ایک ایسے شخص کے بے پناہ وسیع مطالعہ کا ثبوت ہے، جس کا مرکزی اور بنیادی موضوعِ دل چسپی تخلیق و تنقیدِ ادب رہا ہے۔ عزیز احمد نے اس موضوع کی تحقیق اور جائزے کے لیے تمام ممکنہ ماخذ و مصادر سے مدد لی اور موضوع کے تحقیقی مطالعے کا حق ادا کیا ہے لیکن اس کے باوجود یہ ان کی تاریخی تحقیق کی ایک ابتدائی کاوش تھی۔ گو انھوں نے ایک بڑی تعداد میں متعلقہ مآخذ و مصادر سے

استفادہ کیا ہے اور ان کے حوالے بھی دیئے ہیں، لیکن ان کا اسلوبِ تحقیق تقریباً دو دہائیوں کے بعد بہت سائنٹفک، جدید اصولوں کا حامل اور استناد کے تعین اور ان کے استعمال اور حوالوں کے لحاظ سے خاصہ معیاری و مستند ہو گیا۔

اس میں شک نہیں کہ عزیز احمد نے جس میدان میں قدم رکھا، اس میں اپنی بے پناہ صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ مستقل محنت اور حد درجہ مستعدی کا ثبوت دیا۔ یہاں تک کہ انھوں نے ابتدائی عہد میں جو ڈرامے اردو اور انگریزی زبان میں لکھے، وہ بھی ان کی تلاش و جستجو کے مظہر ہیں۔ مثلاً ان کا ڈراما ''عمر خیام'' جو رسالہ ''اردو'' میں شائع ہوا(۸)۔ اس کے واقعات کی تلاش و تحقیق میں انھوں نے غیر معمولی کاوش کا ثبوت دیا تھا۔ پھر اس سے کہیں زیادہ تلاش و تحقیق ان کے ایک مبسوط مقالے میں بھی نظر آتی ہے جو انھوں نے ملّا وجہی کی تصنیف ''سب رس'' کے ماخذ و مماثلات پر رسالہ ''اردو'' میں لکھا تھا(۹)۔ ان کے اسلوبِ تحقیق اور مآخذ سے استفادے کے عمل میں عزیز احمد نے اپنی روز افزوں صلاحیتوں کا اظہار کیا ہے۔ ان کی بعد کی انگریزی تصانیف میں عصری ماخذ سے استفادے اور استناد و حوالوں کا جو التزام نظر آتا ہے، وہ ان کی پہلی تصنیف ''نسل اور سلطنت'' میں اس معیار کا نہیں۔ مثلاً اس کے باب سوم، جزو پنجم میں انھوں نے نسلی امتیاز کے خلاف اسلام اور مسلمانوں کے نظریات اور مسلمانوں کی نسلی رواداری کا تذکرہ کیا ہے اور تاریخی لحاظ سے قرونِ اولیٰ اور قرونِ وسطیٰ کے دنیاے اسلام اور ہندوستان کی مثالیں یک جا کی ہیں۔ مسلمانوں کی تاریخ کے ان ادوار کا جائزہ عزیز احمد نے اپنی بعد کی انگریزی تصانیف میں دیگر موضوعات کے تحت بھی لیا ہے، جہاں ان کا اسلوبِ تحقیق اور مستند و عصری مآخذ سے استفادے کا عمل کہیں زیادہ جستجو اور تلاش و تحقیق کو ظاہر کرتا ہے۔ ان کے اسلوبِ تحقیق کا یہ مثبت ارتقا عین فطری بھی معلوم ہوتا ہے۔ ''نسل اور سلطنت'' کی تصنیف کے وقت ان کے موضوعاتِ دل چسپی متنوع تھے۔ دو دہائیوں کے بعد انھوں نے اپنی تمام تر توجہ تاریخ و تہذیب کے مطالعات و تحقیق کے لیے وقف کر دی اور ان موضوعات پر تحقیق کرنے والے مغرب کے ممتاز علماؤ مصنّفین کی مستند تصانیف ان کے پیشِ نظر رہیں، دنیا بھر کے عمدہ کتاب خانے ان کے تصرف میں آئے اور مغرب کی ترقی یافتہ علمی دنیا سے ان کا رابطہ قریبی ہو گیا۔ ان سب عوامل نے مل کر ان کی تحقیقات کو بے پناہ معیار اور حد درجے وسعت عطا کی اور عزیز احمد ۱۹۶۰ء کی دہائی سے مسلمانوں کی تہذیبی، علمی و فکری تاریخ کے اپنے تحقیقی مطالعوں کی بنا پر علمی دنیا میں ایک مستند اور موثر تاریخ نویس کی حیثیت سے متعارف ہو گئے۔

عزیز احمد کی پہلی تصنیف Studies in Islamic Culture in the Indian Environment ہے جس نے انھیں مشرق و مغرب، ہر جگہ بلند علمی سطح پر متعارف کرایا اور وہ اسلام اور مسلمانوں کے تہذیبی و علمی موضوعات سے دلچسپی رکھنے والوں کی نظروں میں نمایاں ہو گئے اور انھیں علمی و تحقیقی دنیا میں شہرتِ عام اور بقائے دوام حاصل ہو گیا۔ یہ بظاہر ہندوستان میں اسلامی تہذیب کے مطالعے پر مشتمل ہے اور یہ اس موضوع پر کوئی پہلی

مبسوط تصنیف بھی نہیں، لیکن عزیز احمد نے اسے ہر لحاظ سے ایک مستند، معیاری اور منفرد تصنیف کی حیثیت دی ہے۔ یہ بنیادی طور پر دو حصوں پر مشتمل ہے اور جنھیں متعدد ضمنی فصلوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلے حصے میں ہندوستانی مسلمانوں کی تہذیب و سیاست اور اُن کے علم و فکر پر بیرونی دنیاے اسلام (دارالاسلام) کے اثرات دکھائے گئے ہیں۔ اس حصے کا آغاز سلطنتِ دہلی کے عالمِ اسلام سے روابطہ "خلافت" کے نظریے کے تحت دکھائے گئے ہیں اور پھر ہندوستان پر مغلوں کے حملوں کے حوالے سے ہندوستان اور شمالی مغربی اور وسط ایشیا، ترکی، ایران اور افغانستان کے مابین روابط کی نوعیت پر تحقیقی روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس کے بعد سولھویں اور سترھویں صدی کے عہدِ مغلیہ کی نوعیت پر دکن اور گجرات کی مسلم مملکتوں کے دنیاے اسلام سے روابط کا مطالعہ کیا گیا ہے۔ اس کے بعد کا عہد ہندوستان پر انگریزوں کی حکمرانی اور استیلا کا ہے۔ اس عہد میں ہندوستانی مسلمانوں کا رابطہ بیرونِ ہند کی اسلامی دنیا سے مذہبی اور سیاسی کے ساتھ ساتھ علمی اور فکری سطح پر بھی استوار رہا۔ اس سلسلے میں انیسویں صدی کے عالمِ اسلام کے دو ممتاز مفکرین سیّد احمد خاں اور سیّد جمال الدین افغانی کی فکر اور مسلمانوں کے لیے بحیثیت مجموعی اُن کی خدمات کا تقابلی مطالعہ کیا گیا ہے۔ ان دونوں مفکرین نے اپنے اپنے حالات میں ملکی اور ملّی سطح پر اپنی تحریکوں کا اجرا کیا تھا۔ جمال الدین افغانی خلافت کے تحفظ اور مسلمانوں کے باہمی رشتۂ اخوت کو برقرار رکھنے کے لیے اتحادِ اسلامی کی تحریک کے داعی تھے۔ جب کہ سیّد احمد خاں اپنی سیاسی مصلحتوں کی بنیاد پر خلافت اور بیرونِ ہند کے معاملات میں دل چسپی لینے کی فرصت نہ پاتے تھے۔ خلافت کے نظریے نے تمام دنیا کے مسلمانوں میں ایک مرکزیت پیدا کرنے میں فعال کردار ادا کیا ہے۔ عزیز احمد نے اپنی اس کتاب کے حصۂ اوّل میں اس کے حوالے سے ہندوستانی مسلمان حکمرانوں اور مسلمانانِ ہند کے عالمِ اسلام سے روابط کا تحقیقی جائزہ لیا ہے۔ بیسویں صدی میں تحریکِ خلافت کے دوران اس مسئلے نے عام مسلمانوں کے علاوہ ساری ہندوستانی (بشمول ہندو) سیاست کو متاثر کیا ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے مسئلۂ خلافت پر اپنی مستقل تصنیف "مسئلۂ خلافت" لکھ کر ہندوستانی مسلمانوں کے نقطۂ نظر کی عمدہ ترجمانی اور نمائندگی کی تھی۔ عزیز احمد نے مولانا آزاد کے نظریے کی تعبیر و تشریح کی ہے اور پھر اقبال کے اتحادِ اسلامی اور تجدد کے خیالات کا تجزیہ کیا ہے۔

اس کتاب کا پہلا حصہ جن مندرجات پر مشتمل ہے، ان کا احاطہ متعدد مصنّفین کی کتابوں میں موجود ہے، مثلاً اشتیاق حسین قریشی نے اپنی مؤقر تصنیف The Muslim Community of the Indo-Pakistan Subcontinent (۱۰) میں متعدد مقامات پر ہندوستانی مسلمانوں کے دنیاے اسلام سے مذہبی، سیاسی اور فکری روابط اور اثر پذیری کا تذکرہ کیا ہے، یا ڈاکٹر ریاض الاسلام نے اپنی تصنیف Indo-Persian Relations (۱۱) میں مغلیہ عہد کے ہند ایران روابط پر تحقیقی نظر ڈالی اور ان روابط پر مشتمل دستاویزات کو عصری ماخذ سے تلاش کر کے اپنی تصنیف The Calendar of Indo-Persian Relations : (۱۲) میں یک جا کیا ہے۔ ان سے زیرِ نظر

موضوعات کے چند پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے لیکن خصوصیت کے ساتھ اور مبسوط انداز میں تحقیق و تجزیہ کا جو معیار عزیز احمد کی اس تصنیف میں نظر آتا ہے، وہ ایک مثال ہے۔ یہاں صرف پاکستانی مصنّفین کی تصانیف کے حوالے دیے گئے ہیں، جب کہ یہ موضوعات غیر ملکی مصنّفین کی متعدد تصانیف میں بھی ملتے ہیں[۱۳] لیکن عزیز احمد کی تصنیف ان موضوعات پر مفصل، مستقل اور جامع ہے اور اپنے موضوع پر واحد اور ناگزیر حیثیت رکھتی ہے۔

اس کے دوسرے حصے میں ہندوستانی ماحول میں مسلمانوں کی تہذیب و ثقافت کے ارتقا اور ہندو مسلمانوں کے باہمی روابط، ایک دوسرے پر اثراندازی اور ان دونوں کی تہذیب کے اتصال سے وجود میں آنے والے تہذیبی عناصر مثلاً تصوف، ادب اور زبان کی مشترکہ خصوصیات اور دونوں قوموں کے ردِ عمل کا تحقیقی مطالعہ کیا گیا ہے۔ اس کے آغاز میں ہندوستانی تہذیب پر اسلامی تہذیب کے اثرات اور پھر ہندوؤں اور مسلمانوں کے باہمی انتظامی اور تہذیبی و علمی روابط کا مطالعہ کیا گیا ہے۔ اسی ذیل میں ہندو تہذیب کے جو اثرات مسلمانوں کے مذہب اور ان کی تہذیب پر قائم ہوئے، اس کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے، اور اس ضمن میں خصوصیت سے اسلامی تصوف پر ہندو ویدانت اور بھگتی تحریک کے اثرات کا مفصل جائزہ لیا گیا ہے اور پھر نقشبندی ردِ عمل کا ذکر کر کے اس کے اسباب و نتائج پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ ہندو مذہب اور تہذیب کے اثرات کے ردِ عمل میں نقشبندی تحریک کے علاوہ اورنگ زیب اور پھر شاہ ولی اللہ کے افکار و تحریک کا تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے اور اس سلسلے میں شاہ ولی اللہ کے مذہبی اور سیاسی تصورات کے اثرات کے ردِ عمل میں نقشبندی تحریک کے علاوہ اورنگ زیب اور پھر شاہ ولی اللہ کے مذہبی اور سیاسی تصورات کے اثرات و نتائج کے علاوہ تحریکِ مجاہدین کو بھی اسی حوالے سے اس جائزے میں شامل کیا گیا ہے۔ مشترک تہذیبی صفات کے تحت خصوصاً زبان و ادب کو مثال بنایا گیا ہے۔ اس ضمن میں سنسکرت ادب میں مسلمانوں کی اور فارسی ادب میں ہندوؤں کی خدمات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ زبان کے ذیل میں ہندی ادب کی تخلیق میں ہندوؤں کے ساتھ مسلمانوں کے اشتراک اور اردو کی تخلیق میں ہندوؤں کے حصے سے بحث کر کے بالآخر اردو ہندی تنازع کا قومی نقطۂ نظر سے تجزیہ کیا گیا ہے۔ اس کتاب کا آخری باب جدید علیحدگی پسندی کے موضوع پر ہے، جو دراصل اس سارے جائزے اور تجزیے کا ماحصل ہے۔ یہ باب ۱۸۵۷ء سے ۱۹۴۷ء تک دونوں قوموں (ہندوئوں اور مسلمانوں) کی سیاسی اور قومی کش مکش کا دراصل بڑی میانہ روی کے ساتھ احاطہ کرتا ہے۔

یہ دوسرا حصہ بھی جن موضوعات پر مشتمل ہے، یہ صرف عزیز احمد کی اس کتاب کے مخصوص موضوعات نہیں ہیں۔ متعدد پاکستانی اور دیگر مصنّفین نے اپنی تصانیف میں ان پر طویل و مختصر اظہارِ خیال کیا ہے۔ اشتیاق حسین قریشی کی مذکورہ تصنیف تقریباً ان تمام مذکورہ موضوعات کا احاطہ کرتی ہے، لیکن ضمنی طور پر۔ جب کہ عزیز احمد نے ہر پہلو کا تفصیلی جائزہ لیا ہے اور ان کا یہ جائزہ دو بڑی قوموں کے اشتراک سے ان کے باہمی تصادم تک کے دور پر محیط

ہے۔ اشتیاق حسین قریشی یا پھر حفیظ ملک نے اپنی کتاب Muslim Nationalism in India and Pakistan[۱۴] میں مسلمانوں کی قومیت اور اس کے نشیب و فراز کا ارتقائی مطالعہ کیا ہے۔ ڈاکٹر قریشی کی تصنیف بہر حال ایک استثنائی مثال ہے، جو ہندوستانی مسلمانوں کی قومیت کے ارتقا کے ایک عالمانہ اور محققانہ تجزیے پر مشتمل ہے۔ یہ عزیز احمد کی اس تصنیف کے مشمولہ موضوعات پر تفصیلی جائزے کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی۔ اس سے قطع نظر عزیز احمد نے اس تصنیف کو جزئیاتی لحاظ سے بھی مستقل اہمیت کا حامل بنا دیا ہے۔ اس حصہ دوم کے مندرجات کا تحقیقی مطالعہ پاکستان کے مذکورہ مصنّفین کے علاوہ متعدد غیر ملکی مصنّفین نے کیا ہے[۱۵] لیکن نقطۂ نظر اور تحقیقی جامعیت کے لحاظ سے عزیز احمد کی رسائی کا کسی سے مقابلہ مناسبت نہیں۔ اسی طرح تصوف پر ہندوانہ اثرات کا تحقیق مطالعہ بھی متعدد تصانیف میں لیا گیا ہے، مثلاً سیّد معین الحق کی تصنیف Islamic Thought and Movements[۱۶] اور محمد اسلم کی تصنیف ''دینِ الٰہی اور اُس کا پس منظر''[۱۷]، اشتیاق حسین قریشی کی مذکورہ کتاب کے علاوہ اچھے تحقیقی مطالعے کی کوششیں ہیں جو پاکستانی مصنّفین نے انجام دیں[۱۸] لیکن جزئیات سے قطع نظر شاید ہی کوئی ضروری اور متعلقہ پہلو ہو، جس کا احاطہ عزیز احمد کی اس تصنیف میں نہ ہو۔ جب کہ بعض پہلوؤں پر جس طرح عزیز احمد نے جامع اور سیر حاصل تحقیقی نظر ڈالی ہے، ان پر کسی اور مصنف نے خاطر خواہ توجہ نہیں دی۔

عزیز احمد کے خیال میں ہندوستان میں اسلامی تہذیب کا ارتقائی عمل دراصل عالمی اسلامی تہذیب کی ایک علاقائی تشکیل کی صورت میں تھا اور یہ اپنی بقا کے لیے ماحول کے لحاظ سے تبدیلیوں اور بیرونی اثرات کو قبول کرتا رہا ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ، عصری ضرورتوں کے تحت اس نے ہندوستان کے غیر مسلم ماحول میں مدافعت اور مصالحت دونوں کو اہمیت دی۔ ابتدائی مرحلے پر اس نے اپنے بنیادی روابط کو دنیائے اسلام سے منقطع ہونے نہیں دیا بلکہ منگولوں کے حملوں کے خدشات سے اسے بیرونِ ہند کی اس وقت کی مستحکم اسلامی سلطنتوں ترکی اور ایران سے بہت زیادہ قریب کر دیا اور بالآخر برطانوی عہد میں دارالاسلام کے مرکزی نظریے سے اس کی وابستگی نے اسے برعظیم میں ایک علیحدہ سیاسی راستے پر گامزن کر دیا۔ عزیز احمد اپنی اس تصنیف میں برعظیم کے مسلمانوں کے علیحدہ قومی تشخص کے اظہار تک پہنچے تھے، اپنی اس سلسلے کی دوسری تصنیف Islamic Modernism in India and Pakistan[۱۹] میں انھوں نے برطانوی عہد کے جدید ہندوستان میں نئے تقاضوں کے تحت مسلمانوں کے مذہبی اور فکری ارتقا کا مطالعہ کیا ہے۔ اس طرح ان کا مطالعہ، اس سلسلے کی ان کی اس دوسری تصنیف میں، ایک اگلے مرحلے کی طرف آگے بڑھا ہے۔

اس تصنیف میں عزیز احمد نے بنیادی طور پر اسلامی ہند اور پاکستان میں ۱۸۵۷ء کے بعد سے کتاب کی تصنیف کے وقت ۱۹۶۴ء تک، مسلمانوں کے مذہبی اور سیاسی افکار کا مطالعہ کیا ہے۔ یہ مطالعہ مجموعی سے قطع نظر

انفرادی مفکرین اور اُن کے افکار پر مشتمل ہے۔ اس کے اہم ابواب کا تعلق اس کش مکش سے ہے، جو اس عرصے میں راسخ الاعتقادی اور فکرِ جدید کے درمیان پیدا ہوئی تھی۔ اس کش مکش کا تعلق اس مسئلے سے رہا ہے کہ آیا اسلامی عقائد کو، جن سے سیاسی مکاتبِ فکر بھی تشکیل پائے ہیں، معاشرے کے خارجی محرکات کو اسی طرح نظر انداز کرنا چاہیے جو ماضی کا شعار رہا ہے اور انھیں خود کو ان ہی چار قدیم اور راسخ مآخذ قرآن، حدیث، اجماع اور قیاس سے منسلک رہنا چاہیے یا اُنھیں اوّلین دو مآخذ کی ترجمانی کرنی چاہیے اور باقی دو کو مناسب حد تک جدید اور پھر سیاسی تصورات کی صورت میں ڈھال لینا چاہیے۔ عزیز احمد کے خیال میں اسلامی روایت پسندی کو ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے نتائج کے زیرِ اثر شدید دعوتِ مقابلہ کا سامنا کرنا پڑا۔ اسے مختصراً سیّد احمد خاں کے خیالات، تجزیے اور ان کی مدافعت اور ان کی تحریک اور جدید رجحانات پر ان کے رفقا چراغ علی اور محسن الملک کے اصرار میں دیکھا جاسکتا ہے۔ قانونی اور سیاسی اصلاحات کے مسئلے نے شبلی اور امیر علی کی تحریروں میں تاریخِ اسلام کی تعبیرِ نو کو جگہ اور دنیائے اسلام سے ہندوستانی مسلمانوں کے جذباتی رشتے کو تقویت دی جس کا نمایاں اظہار تحریکِ خلافت کے دوران نظر آتا ہے۔

عزیز احمد کے خیال میں بیسویں صدی کی فکرِ جدید میں سب سے اہم نام اقبال کا ہے جب کہ انیسویں صدی میں یہ نام سیّد احمد خاں کا تھا۔ جدید اقدار کے زیرِ اثر اقبال نے اسلام کی تشکیلِ جدید میں مابعد الطبیعیاتی رسائی کے ذریعے ایک دوراہے کی صورتِ حال پیدا کر دی۔ عزیز احمد کے خیال میں اقبال کے سیاسی فکر کو ہند اسلامی تاریخ میں کہیں زیادہ اہمیت حاصل ہوگئی جس نے اسلام کے تصورِ اجماع کو پارلیمانی جمہوریت سے قریب تر کر کے مسلم قومیت کا ایک نیا نظریہ وضع کیا اور جو تحریکِ پاکستان کی ایک نظریاتی بنیاد بن گیا۔ یہ نظریہ عملی سیاست میں قائداعظم محمد علی جناح کے دو قومی نظریے کی صورت میں زیادہ مکمل اور جامع صورت اختیار کر گیا کہ برعظیم کے ہندو اور مسلمان ہر لحاظ سے دو علیحدہ قومیں ہیں۔

عزیز احمد کے نزدیک ابوالکلام آزاد کی شخصیت اقبال سے قدرے ہم آہنگ اور قدرے مختلف ہے۔ تفسیر میں مختلف مذاہب سے خوشہ چینی نے انھیں اس مذہبی اجتماعیت کے تصور کا راستہ دکھایا تھا جو آگے چل کر دو قومی نظریے کے مقابل متحدہ قومیت کے نظریے کی بنیاد بنا۔ عزیز احمد کے خیال میں اسلامی اشتراکیت کا تصور پہلے پہل اقبال کی شاعری میں نمودار ہوا اور پھر اس نے عبید اللہ سندھی، حفظ الرحمن سیوہاروی اور خلیفہ عبدالحکیم کے جدید مذہبی افکار میں نمایاں جگہ حاصل کی۔ عزیز احمد کے نزدیک پاکستان میں روایتی اور جدید افکار میں ہم آہنگی کی کیفیت ابوالاعلیٰ مودودی اور غلام احمد پرویز کی نمائندہ تحریروں میں خاصی واضح اور نمایاں ہے۔ ان کے خیال میں یہ دونوں مفکر اپنے دلائل اسلام کے بنیادی عقائد سے اخذ کرتے ہیں اور ان کی تعبیر و تشریح کرتے ہوئے یہ دونوں علی الترتیب شدید خارجیت پسندی اور نامعقول خیالی دلائل کی مخالف سمتوں میں الگ ہو جاتے ہیں۔ ان کی اختلافی کش مکش کا نزاع

اور ان کے اثرات پاکستان میں دستور سازی اور اصلاح کے عمل میں جھلکتے ہیں، جہاں ایک طرف مملکت کے متوازن اسلامی خطوط کے تعین اور دوسری طرف اس کی ترقی اور نئی دنیا کے تقاضوں سے مطابقت پیدا کرنے کے مسائل بہت زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔

جہاں تک بھارت کا تعلق ہے، عزیز احمد نے ۱۹۴۷ء کے بعد وہاں کے ایک ایسے معاشرے میں، جس میں مسلمانوں کا غلبہ نہیں ہے اور جس میں مذہبی اور تہذیبی تشخص کا مسئلہ مسلمانوں کے لیے دعوتِ مقابلہ کی حیثیت رکھتا ہے، اسلام کی سیاسی اور مذہبی مطابقت کی کوششوں کا مطالعہ کیا ہے۔

عزیز احمد نے اس تصنیف میں دراصل ۱۸۵۷ء کے بعد کے تمام اہم مسلمان مفکرین کے مذہبی اور سیاسی افکار کا نچوڑ پیش کر دیا ہے اور اس موضوع سے دل چسپی لینے والوں کے لیے اس عہد کے برعظیم کی اسلامی فکر کی ایک ایسی تصویر بنائی ہے جو بہت واضح، متوازن اور بے لاگ تجزیے کی حامل ہے۔ افکار و خیالات کا مطالعہ راست اور اصل بنیادی مآخذ کے ذریعے کیا ہے اور موضوعِ بحث سے متعلق تمام ہی متعلقہ اور امدادی ماخذ پیشِ نظر رکھے ہیں۔ افسوس کسی دیگر پاکستانی مصنف نے اس موضوع کا خصوصی اور مستقل مطالعہ نہیں کیا۔ قاضی جاوید کی اردو تصنیف۔ ''سر سیّد سے اقبال تک'' اسی انداز کے شخصی افکار کے مطالعات پر مشتمل ہے جو ایک مستقل موضوع سے قطع نظر مقالات کا مجموعہ معلوم ہوتی ہے، ایک مربوط فکری ارتقا کا مطالعہ نہیں۔ محض اشتیاق حسین قریشی کی مذکورہ تصنیف اور پھر انہی کی ایک اور تصنیف Ulema in Politics [۲۰]، سیّد معین الحق اور حفیظ ملک کی مذکورہ بالا تصانیف اور ان ہی کی ایک اور تصنیف Syed Ahmed Khan and Islamic Modernism [۲۱] میں عزیز احمد کی اس تصنیف کے مباحث ضمنی طور پر زیرِ بحث آئے ہیں۔ تحریکِ پاکستان اور ہندوستانی مسلمانوں کی سیاسی تحریک پر لکھی جانے والی متعدد کتابوں میں بھی گاہے بہ گاہے اس موضوع کی جھلک نظر آتی ہے لیکن مستقل مطالعے کی کوئی کوشش نہیں کی گئی۔ جب کہ غیر ملکی مصنّفین نے اس موضوع کو خاصی اہمیت دی ہے اور متعدد کتابیں اس موضوع اور عہد پر سامنے آئی ہیں۔ [۲۲]

عزیز احمد نے اسی طرح کا ایک اور منفرد کام کیا ہے۔ ہندوستانی اسلام کے بارے میں اپنی اوّلین تصنیف میں انھوں نے ہند اسلامی تہذیب اور دنیاے اسلام سے اس کے روابط کا مطالعہ کیا تھا۔ اس نوع کی اپنی تیسری تصنیف An Intellectual History of Islam in India [۲۳] میں، جو منٹگمری واٹ کی زیرِ ادارت ایڈنبرا یونیورسٹی سے شائع ہونے والے سلسلے Islamic Surveys کے تحت شائع ہوئی تھی، انھوں نے برعظیم میں اسلام کے ثقافتی اور مذہبی اثرات کا تاریخی جائزہ لیا۔ یہ تصنیف بھی ان کے اس مرکزی خیال کے ماتحت تھی کہ ہندوستان کی اسلامی تہذیب دنیائے اسلام کا ایک ناگزیر حصہ تھی۔ برعظیم بھی ایک یکسر علیحدہ نہیں، دنیائے اسلام کی سرحدوں میں شامل

اس کا ایک لازمی ''جزو'' تھا اور اس نے ''کل'' کی زندگی کے لیے نمایاں خدمات انجام دیں۔ کئی صدیوں تک یہ ''اسلامی خطہ'' اثراندازی اور اثرپذیری کے اصولوں کے تحت ہندومذہب اور ہندو تہذیب سے خلط ملط ہوتا رہا لیکن اس نے دنیائے اسلام کے مرکز سے اپنا رشتہ منقطع نہیں کیا بل کہ اپنے دور آخر میں اس نے مغربی اثرات کے ردّ و قبول میں دنیائے اسلام کی رہنمائی بھی کی۔ ۱۹۴۷ء میں قیامِ پاکستان سے یہ ایک نئے دور اور ایک نئی صورتِ حال میں داخل ہوا ہے۔ اس تصنیف میں سیاسی تاریخ سے قطع نظر، برعظیم کی آٹھ سو سالہ اسلامی زندگی کی نمائندہ تہذیبی اور مذہبی خصوصیات کا مطالعہ کیا گیا ہے۔ اس میں عزیز احمد نے ہندو مذہب سے اختلاط کے باعث اسلام کے متاثر ہونے کا جائزہ بھی لیا ہے اور اس سلسلے میں علیحدہ علیحدہ سنی راسخ الاعتقادی، شیعہ فرقوں، دیگر اعتقادی تحریکوں، اسلامی تصوف اور دیگر اعتقادی یا بدعت اور توہمات کا مطالعہ بھی کیا ہے۔ اپنے اس مطالعے کو اُنھوں نے محض مذہب تک محدود نہیں رکھا ہے بل کہ قرونِ وسطٰی سے لے کر آخری (مسلم) عہد تک مسلمانوں کے عربی، فارسی، ترکی اور اردو اور علاقائی زبانوں اور ان کے ادب کو بھی اس جائزے میں شامل رکھا ہے اور پھر علاقائی زبانوں کے ادب پر ان زبانوں کے اثرات کا مطالعہ بھی کیا ہے۔ اس کے علاوہ فنونِ لطیفہ، فنِ تعمیر، مصوری اور موسیقی میں مسلمانوں کی خدمات پر بھی روشنی ڈالی ہے۔

یہ تصنیف بلاشبہ اپنے موضوع پر واحد اور منفرد ہے اور اپنے جائزے اور تجزیے کے لحاظ سے جامع اور سیر حاصل بھی۔ اس نوع کا مطالعہ جزوی یا سرسری انداز میں کسی کسی کتاب میں مل تو جاتا ہے لیکن بحیثیت مجموعی ان موضوعات اور مباحث پر فردِ واحد کی کوئی مستقل اور مکمل تصنیف شاید موجود نہیں۔ اس کے جزوی موضوعات کا مفصل مطالعہ تو کئی مصنّفین نے کیا ہے اور پاکستانی اور غیر ملکی مؤرّخین و محققین کی بعض عمدہ تحقیقی کاوشیں سامنے آئی ہیں، لیکن قدرے اختصار کے باوجود نہایت جامعیت سے عمیق مطالعے و تجزیے کی یہ واحد مثال ہے۔ عزیز احمد نے اس تصنیف میں اور اپنی اس نوع کی دونوں تصانیف میں عصری اور بنیادی مآخذ سے استفادہ کی جس روایت کی پیروی کی تھی، اسے اس میں بھی برقرار رکھا ہے اور تمام متعلقہ بنیادی اور ضروری ماخذ پیشِ نظر رکھے ہیں اور ان کے ذریعے تحقیقی معیار کو مستند اور قابلِ اعتبار بنادیا ہے۔

عزیز احمد نے جنوبی ایشیا کی اسلامی تہذیب و فکر کے مطالعے کو انھی تین تصانیف تک محدود نہیں رکھا، ان کا یہ مطالعہ جاری رہا— لیکن اس سلسلے میں ان کی کوئی مستقل و مبسوط تصنیف وجود میں نہیں آئی۔ ہاں، انھوں نے فکرِ اسلامی کا ایک اور صورت میں ارتقائی مطالعہ ضرور کیا اور فان گرونی بام کے ساتھ مل کر ۱۸۵۷ء سے ۱۹۶۸ء کے عرصے میں برعظیم کے مسلم مفکرین کے نمائندہ، اہم اور موثر افکار و خیالات کا ایک انتخاب Muslim self-statement in India and Pakistan مرتب کیا جو کیلی فورنیا یونی ورسٹی کے Near Eastern Centre

کے اہتمام سے شائع ہوا[۲۴]۔ برعظیم کے سیاسی اور قومی مسائل اور مذہبی افکار پر مبنی نمائندہ اور اہم تحریروں کے متعدد مجموعہ ہائے انتخاب بیرونِ ملک میں مرتب ہوئے ہیں لیکن کسی پاکستانی نے کوئی ایسا انتخاب مرتب نہیں کیا جو فکرِ اسلامی کے ارتقائی مطالعے کے لیے مفید اور جامع ہو اور اس سے برعظیم کے مسلمانوں کی فکر کے تمام نمائندہ پہلو اور نشیب و فراز کی کُل کیفیت نمایاں ہو سکے۔ بیرونِ ملک اس طرح کے بعض مجموعہ ہائے انتخاب ضرور مرتب ہوئے ہیں لیکن ان کا تعلق محض برعظیم کی فکرِ اسلامی کے ارتقا سے نہیں ہے۔ ایسے مجموعے ساری دنیاے اسلام یا مشرقِ وسطیٰ یا مرکزی فکرِ اسلامی پر مشتمل تحریروں کے انتخاب پر مشتمل ہیں۔ ہاں، ایسے مجموعوں میں برعظیم کے بعض مسلم اکابر بالخصوص سیّد احمد خاں، چراغ علی، مولانا محمد علی، اقبال، محمد علی جناح، مولانا مودودی وغیرہ کے افکار و خیالات یا ان کی تحریروں کے اقتباسات ضرور شامل کیے گئے ہیں۔ چنانچہ ان سے برعظیم کی فکرِ اسلامی کی ارتقائی کیفیت نمایاں نہیں ہو سکتی۔ اس ضمن میں عزیز احمد اور گرونی بام کے اس مجموعہ ٔ انتخاب کو کئی امتیاز حاصل ہیں۔

عزیز احمد نے گرونی بام کے ساتھ مل کر یہ مجموعہ مرتب کیا ہے لیکن یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ اس کی ترتیب میں انھیں گرونی بام کی کس قدر معیت حاصل ہوئی اور ان دونوں میں تقسیم کار کیا کیا ہوئی۔ اس کا مقدمہ یا تعارف جو تحقیقی نقطۂ نظر سے زیادہ اہم اور وقیع ہے، کتابیاتی جائزہ پر مشتمل ہے اور یہ صرف عزیز احمد کا تحریر کردہ ہے۔ کتاب کا موضوع چونکہ ۱۸۵۷ء سے ۱۹۶۸ء تک ہے، اس لیے اس میں مرتبین نے سیّد احمد خاں اور مولانا محمد قاسم نانوتوی کی تحریروں سے مندرجات کا آغاز کر کے کتاب کا اختتام پاکستان کے صدر محمد ایوب خاں کی خودنوشت Friends not Masters[۲۵] کے اقتباس پر کیا ہے۔ کتاب کے مندرجات پر مشتمل موضوعات کا کتابیاتی جائزہ تحریر کرنے کی روایت برعظیم کے مصنّفین میں قائم نہ ہو سکی۔ چنانچہ کتابیاتی جائزے ہمارے ہاں بہت کم لکھے گئے ہیں۔ عزیز احمد نے یہ مفید کام بھی کیا ہے اور ان کا یہ جائزہ اس لحاظ سے مفید و اہم ہے کہ اس میں انھوں نے اس عرصے کے اسلامی افکار کا پس منظر، ان افکار کی نوعیت اور برعظیم کی مجموعی فکرِ اسلامی میں ان کی اہمیت پر بھی روشنی ڈالی ہے اور ہر مفکر اور اس کی فکر کے تعلق سے جو مآخذ اور مصادر دستیاب ہیں، ان کا تذکرہ کیا ہے۔ ورنہ دیگر کتابیاتی جائزوں میں محض موضوعاتی کتابیات کا سرسری تذکرہ کر دیا جاتا ہے۔ عزیز احمد کے اس کتابیاتی جائزہ سے اس سو سال سے زیادہ مدت کی فکرِ اسلامی کا پس منظر، اس کی خصوصیات اور کیفیت، برعظیم کے مسلمانوں کے ملّی و قومی احساسات کی ایک تصویر اور ان کی مذہبی و فکری تاریخ مرتب ہوتی ہے۔ جن تحریروں کا اس مجموعے میں انتخاب کیا گیا ہے، وہ برعظیم کے مسلمانوں کی خودشناسی اور بطور ملت و قوم اپنے اظہار سے تعلق رکھتی ہیں۔ نوعیت کے لحاظ سے یہ تحریریں رجعت پسندانہ بھی ہیں اور ترقی پسندانہ بھی اور پس منظر اور اثرات کے لحاظ سے یہ اپنے وقت کی بہتر نمائندگی بھی کرتی ہیں۔ مرتبین نے تحریروں کے انتخاب میں ان کے اسلوب اور زورِ بیاں کو اتنی اہمیت نہیں دی جتنی کہ ان کے مباحث اور ان میں پیش

کی گئی فکر کو اہمیت دی ہے، کیونکہ قدامت پسندانہ تحریر میں اسلوب اور زبان کی دل کشی کے معیار کو تلاش نہیں کیا جاسکتا۔ یقیناً اس مجموعے میں شامل اس قسم کی اردو تحریروں کے انگریزی مترجمین پیٹر ہارڈی، میری سرہندی، رالف رسل، چارلس جے آدم اور شیلا میکڈونا کو انھیں انگریزی میں منتقل کرتے ہوئے خاصی دقت پیش آئی ہوگی۔ غالباً اسی وجہ سے، جیسا کہ ادارتی نوٹ میں کہا گیا ہے، ان حضرات کے کیے گئے اوّلین تراجم پر عزیز احمد کو نظر ثانی کرنی پڑی۔

اس مجموعے میں جن اکابر کی تحریروں کا انتخاب کیا گیا ہے، ان کے نام یہ ہیں: سیّد احمد خاں، چراغ علی، محمد قاسم نانوتوی، مرزا غلام احمد قادیانی، صدیق حسن خاں، شبلی، حالی، امیر علی، مولانا محمد علی، ابوالکلام آزاد، اقبال، محمد علی جناح، ابوالاعلیٰ مودودی، غلام احمد پرویز، خلیفہ عبدالحکیم اور صدر محمد ایوب خاں اور بھارت کے، اے اے فیضی ان کے علاوہ جسٹس منیر رپورٹ اور پاکستان کے دو اوّلین دساتیر کے اقتباسات بھی اس میں شامل کیے گئے ہیں۔

عزیز احمد نے اس مجموعے سے قطع نظر لائیڈن کے معروف ناشر ' ای جے بریل' کے کتابی سلسلے Contribution to Asian Studies کا ایک شمارہ بعنوان Religion and Society in Pakistan بھی مرتب کیا[۲۶]۔ یہ شمارہ تحقیقی مقالات پر مشتمل شش ماہی شائع ہوتا ہے۔ اس شمارے میں عزیز احمد کے تحریر کردہ مقدمے کے علاوہ چھے مقالات شامل ہیں، جن میں خود عزیز احمد کا تحریر کردہ مقالہ Islam and Democracy in Pakistan بھی شامل ہے۔ دیگر مقالات فری لینڈ ایبٹ، ایس ایم قریشی، حفیظ ملک، شیلا میکڈونا اور صغیر احمد کے تحریر کردہ ہیں اور ان کے موضوعات پاکستان کی تہذیب و سیاست، معیشت، اسلام اور مذہبی فکر سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس مجموعے میں شامل، دیگر مقالات سے قطع نظر، عزیز احمد کا مقدمہ اور مقالہ دونوں ہی خاصے جامع اور محنت و توجہ سے لکھے گئے ہیں۔ مقدمہ مختصر ہے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ یہ ان کے مطالعے اور تجزیے کا نچوڑ ہے۔ اس کے آغاز میں عزیز احمد نے مذہب اور معاشرے کے روابط پر نظر ڈالنے کے بعد اسلام کے معاشرے اور حکومت سے روابط کا تاریخی جائزہ لیا ہے۔ ان کے جائزے کے مطابق قرونِ اولیٰ اور قرونِ وسطیٰ میں یہ روابط دوسرے مذاہب اور معاشروں، مثلاً عیسائیت اور سلطنتِ روما کے روابط سے یکسر مختلف رہے ہیں۔ حضرت محمدؐ جو مکے میں کفار کے ظلم و ستم سہتے رہے، مدینے میں روحانی سربراہ کے ساتھ ساتھ سربراہِ مملکت بھی بن گئے۔ اسلامی مملکت میں انھیں پیغمبرِ اسلام کے علاوہ سیاسی مرکزیت حاصل رہی۔ عزیز احمد کے خیال میں اسلام کا تصورِ اُمت بنیادی طور پر معاشرتی ہے۔ مسلمانوں کا قدیم سیاسی نظریہ اور فلسفہ سب ہی مذہب سے معاشرے اور مملکت کے ناگزیر روابط پر اصرار کرتے ہیں۔ اسلامی قوانین نے ان سب کو باہم ایک دوسرے سے مربوط کر رکھا ہے۔ لیکن ان کے خیال میں یہ صورتِ حال صرف حضرت عمرؓ کے دور تک برقرار رہی۔ ان کے بعد اُمورِ مملکت اور مذہب انفرادی تقویٰ کے معاملات بن گئے اور اُموی خلافت کے عہد میں مملکت لادینی ہوگئی۔ یہاں تک کہ خلافتِ عباسیہ میں حکمران دینی نہ رہے، وہ دنیائے اسلام

کے سربراہ تو تھے لیکن مذہبی لحاظ سے نظامِ مملکت پر اُن کا دخل صرف اس حد تک تھا کہ وہ قاضیوں کا تقرر کرتے تھے تاکہ اسلامی قوانین پر عمل ہو سکے، ورنہ دیگر امورِ مملکت پر لادینی کا زیادہ اطلاق ہوتا تھا۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت بھی ان ہی خطوط پر استوار رہی۔ ان کے خیال میں صرف سلطان فیروز شاہ تغلق اور اورنگ زیب کے عہد میں ہندوستان پر بطور اسلامی حکومت حکمرانی کی گئی۔

یہ بات دل چسپ ہے کہ ہندوستان پر مسلمان جب تک حکمران رہے، مذہب اور معاشرے کے تشخص کا احساس ان میں موجزن نہ رہا۔ لیکن جب سیاسی اقتدار ان کے پاس نہ رہا تو ان کے باشعور طبقے نے جو علما و مفکرین پر مشتمل تھا، ان میں یہ احساس بیدار کرنے کی کوششیں کی۔ پھر بیسویں صدی کی ابتدائی دہائیوں میں ان کی مذہبی اور سیاسی فکر دو نظریوں میں تقسیم ہو گئی۔ ان میں سے ایک ہندوستانی قومیت کی تحریک کی شریکِ سفر ہو گئی اور دوسری کو ہندو اکثریت کے اقتدار سے خدشہ پیدا ہو گیا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ دوسرا احساس زیادہ قوی ہوتا گیا۔ عزیز احمد کے خیال میں یہ بات قابلِ غور ہے کہ مسلمانوں میں علیحدگی پسندی کے احساس کو ایسے قائدین سے تقویت پہنچی جن کا رہن سہن لادینی تھا۔ ان کے مقابلے میں مسلمانوں کے مذہبی قائد اور علمائے دیوبند متحدہ قومیت کے نظریے کے حامی اور انڈین نیشنل کانگریس کے شریکِ کار ہو گئے۔ مسلمانوں کی اکثریت نے لادینی قائدین کے ساتھ مل کر علماً اور مذہبی رہنمائوں کے موٴقف کو رد کر دیا۔ عزیز احمد کے خیال میں تحریکِ پاکستان (۱۹۴۰ء۔ ۱۹۴۷ء) کے دوران مذہب ایک لائحۂ عمل کے بجائے ایک نعرے کی حیثیت رکھتا تھا۔ جو کچھ مسلمانوں نے پاکستان کے نام پر حاصل کیا، وہ لادینی جمہوریت تھی لیکن نظریے اور نام کے لحاظ سے یہ ایک اسلامی مملکت تھی۔ عزیز احمد کا خیال ہے کہ دراصل یہ ایک مسلم مملکت تو تھی لیکن اسلامی مملکت نہیں۔ ان کے خیال میں اس کے باوجود پاکستان اپنے تصور اور اپنے آغاز میں اسلامی تشخص کا حامل رہا ہے اور اس کے حکمران اور سیاست دان اسے اسلامی مملکت بنانے کا اعلان کرتے رہے ہیں۔ اس مجموعے میں شامل مقالات پاکستان کی اسی صورتِ حال کے مطالعے و تجزیے پر مبنی ہیں کہ یہاں مذہب اور معاشرے نے مل کر کیا کردار ادا کیا ہے؟

عزیز احمد نے اس مجموعے میں شامل اپنے مقالے میں پاکستان میں اسلام اور جمہوریت کا مطالعہ کیا ہے۔ اس کے آغاز میں انھوں نے جمہوریت کے حوالے سے مسلمانوں کے نقطۂ نظر پر روشنی ڈالی ہے۔ ان کے خیال میں مسلمانوں میں انگریزی عہد میں جمہوری اداروں کے قیام کا مطلب مسلمانوں پر ہندو اکثریت کا تسلط تھا۔ یہ مسلمانوں کا سیاسی احساس تھا، جس میں مذہب کا نظریاتی دخل نہیں تھا۔ اس احساس کی قیادت اور ترجمانی اس وقت سیّد احمد خاں اور علی گڑھ کے رہنما کر رہے تھے۔ لیکن مسلمانوں میں ایسا طبقہ جو کانگریس کا حامی ہو گیا تھا، اس نے کانگریس کی پیروی کرتے ہوئے جمہوریت سے کسی قسم کا خدشہ محسوس نہیں کیا۔ عزیز احمد کے خیال میں یہی طرزِ فکر دنیائے اسلام

کے دوسرے ممالک میں بھی نظر آتا ہے۔ اسلامی مملکت میں رائج شوریٰ اور اجماع کے تصورات کو عزیز احمد نے جمہوریت کے اصولوں سے قریب تر قرار دیا ہے اور ان ہی کی روشنی میں اسلام اور جمہوریت کے اشتراک کو بیان کیا ہے۔ پاکستان میں اسلامی دستور سازی کی کوششوں کا ذکر کرتے ہوئے عزیز احمد نے ''قراردادِ مقاصد'' (مارچ ۱۹۴۹ء)، ''مجلسِ تعلیماتِ اسلامیہ کی سفارشات'' (۱۹۴۸ء) اور علما (مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا مودودی) کے آئینی تصورات پر روشنی ڈالی ہے۔ عزیز احمد کے خیال میں حکومت اور انتظامیہ نے ان علماؑ سے مدافعت کرنے اور جدید قومی مملکت کے خطوط میں پاکستان کو ڈھالنے میں کامیابی حاصل کرلی۔

عزیز احمد کا یہ جائزہ ایوب خاں کے عہد تک محیط ہے۔ اپنے اس جائزے میں انھوں نے مستند حوالوں کی مدد سے پاکستان کے تاریخی و سیاسی حالات کے نشیب و فراز اور سیاسی و مذہبی افکار کا تنقیدی مطالعہ کیا ہے۔ اس موضوع پر جب کہ متعدد مفصل تصانیف اور جائزے و تجزیے موجود ہیں، عزیز احمد کا یہ مختصر مقالہ اسباب و حالات اور افکار کے مطالعے کی ایک اچھی کوشش ہے اور تجزیے و نتائج کے لحاظ سے خاصا جامع اور مدلل بھی ہے۔

گو عزیز احمد کے اسلامی تاریخ و تہذیب پر تحقیق کام زیادہ تر جنوبی ایشیا کے تعلق سے ہیں لیکن ان کی آخری تصنیف مسلمانانِ صقلیہ کی تاریخ و تہذیب کے تحقیقی مطالعے پر مشتمل ہے۔ اسلامی تاریخی میں ہسپانیہ کے المیے کی طرح صقلیہ کا المیہ بھی خاصا عبرت ناک ہے اور اس میں مسلمانوں کے لیے آہ و فغاں کے کئی مقامات موجود ہیں۔ اسلامی تاریخی کے موضوعات میں صقلیہ کی اسلامی تاریخ و تہذیب کے تحقیقی مطالعے کی کوششیں عام نہیں ہیں اور جو کوششیں کی گئی ہیں، وہ یا تو جزوی ہیں یا ضمنی۔ مبسوط تحقیقی مطالعے نہ ہونے کے برابر ہیں۔ پاکستان میں محض نصیر الدین جامعی کی ایک سرسری تصنیف ''مسلمان سسلی میں''[۲۷] اس موضوع پر اردو میں سامنے آئی ہے۔ یا پھر قدیم اردو تصانیف میں عبدالحلیم شرر کی تصنیف ''صقلیہ میں اسلام''[۲۸] اور ریاست علی ندوی کی تصنیف ''تاریخِ صقلیہ''[۲۹] اس موضوع پر نظر آتی ہیں۔ انگریزی زبان میں بھی صقلیہ کے اسلامی عہد پر مفصل تحقیقی کام موجود نہیں۔ ہاں، اطالوی زبان میں ایم اماری کی تصنیف Storia Die Musulmani Di sicilia [۳۰] اس موضوع پر ضرور اہم اور مستند کہی جاسکتی ہے۔ عزیز احمد نے مسلمانوں کی تاریخ کے اس افتادہ موضوع کو اہمیت دے کر ایک مختصر لیکن نہایت جامع کتاب A History of Islamic Sicily تحریر کی[۳۱]۔ یہ نہ صرف تاریخِ اسلام میں صقلیہ کے فراموش کردہ باب پر نہایت تحقیق اور جامعیت سے روشنی ڈالتی ہے اور اس میں مسلمانوں کی فتح صقلیہ کے پس منظر اور حالات، وہاں کے مسلمانوں کی سیاسی، علمی اور تہذیبی تاریخ، صقلیہ اور اس کے توسط سے یورپ پر اسلامی تہذیب کے اثرات عزیز احمد کی اس تصنیف کے بنیادی موضوعات ہیں۔ عزیز احمد کے خیال میں موجودہ سسلی کے عہدِ ماضی پر کسی قوم نے اتنے ہمہ گیر اور گہرے اثرات نہیں چھوڑے، جتنے مسلمانوں کے اس سرزمین پر نظر آتے ہیں۔ یہ اثرات

محض مسلمانوں کی راست حکمرانی کے طفیل نہیں اور نہ ہی یہ ان کی حکمرانی کے خاتمے سے ختم ہوگئے بل کہ ان کے علمی اثرات سسلی کے توسط سے اٹلی اور پھر یورپ تک پہنچے اور یہ صرف فنِ تعمیر میں نہیں، متعدد صورتوں میں نظر آتے ہیں۔

عزیز احمد نے اس تصنیف میں نویں صدی سے گیارھویں صدی تک صقلیہ میں مسلمانوں کی سیاسی، علمی اور تہذیبی تاریخ کا مطالعہ کیا ہے۔ ان کی تحقیق کے مطابق سسلی میں مسلمانوں کے بعد نورمن عہدِ حکومت میں عدلیہ اور انتظامیہ پر مسلمانوں کے واضح اثرات نظر آتے ہیں اور جب نورمن عہد کے بعد جرمن کلیسائی حکمرانوں کا دور آیا تو ان کے عہد میں، اپنے عرب محکوموں سے تعاون کا حصول بالخصوص فریڈرک دوم کی واضح سیاسی حکمتِ عملی رہی۔

عزیز احمد کی تحقیقات کے زیادہ تر موضوعات کا تعلق کسی نہ کسی طرح جنوبی ایشیا کے مسلمانوں سے رہا ہے، سسلی پر ان کی تصنیف، ''نسل اور سلطنت'' کے بعد ان کی دوسری تصنیف ہے جس کا موضوع مختلف ہے۔ یہ ان کے مطالعے کی وسعت، دقتِ نظری اور جاں فشانی کا ایک اضافی ثبوت ہے۔ جس طرح ان کے دیگر تحقیقی مطالعات اپنے بنیادی اور عصری مآخذ سے استفادہ کی وجہ سے استناد کا درجہ رکھتے ہیں، ان کی یہ تصنیف بھی ان کے سابقہ اہتمام کی مظہر ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ عزیز احمد نے اپنے موضوع کے تعلق سے تمام ممکنہ مصادر و مآخذ جو عربی، اطالوی، فرانسیسی، جرمن اور انگریزی زبانوں میں موجود ہیں، اپنے سامنے رکھے ہیں اور اپنی اپنی اہمیت کے مطابق ان سے استفادے کا کام لیا ہے۔ اس موضوع پر کہ جسے بلاشبہ تاریخِ اسلام کا ایک اہم لیکن فراموش کردہ باب کہا جاسکتا ہے، کسی مسلمان محقق کی کوئی معیاری تحقیقی کتاب موجود نہیں تھی، عزیز احمد کی یہ تصنیف اپنی جگہ معیاری بھی ہے اور اہم بھی اور اس نے اپنے معیار اور اپنی تحقیقی جامعیت کے لحاظ سے بھی ایک خلا کو پُر کیا ہے۔

ان مستقل تصانیف کے علاوہ عزیز احمد نے ایک خاصی بڑی تعداد میں مختلف موضوعات پر تحقیقی مقالات بھی تحریر کیے جو عالمی سطح کے مؤقر علمی و تحقیقی جرائد اور موضوعاتی مجموعہ ہائے مقالات میں شائع ہوئے، مثلاً لائیڈن سے شائع ہونے والے Encyclopaedia of Islam میں ان کے گیارہ مقالات شائع ہوئے جن کے موضوعات کا تعلق بالخصوص اردو اور فارسی زبان و ادب اور برعظیم کی تاریخ سے ہے۔ یہ مقالات ''ہجا''، ''حالی''، ''حماسہ''، ''حکایت''، ''جمالی''، ''حسن دہلوی''، ''جامعہ''، ''غیاث الدین تغلق'' (اوّل) اور ''غیاث الدین تغلق'' (دوئم)، ''دینِ الٰہی'' اور ''ہند اسلامی تہذیب'' پر ہیں۔ ان کے دیگر تحقیقی مقالات بالعموم برعظیم کی تاریخ و ثقافت اور زبان و ادب کے موضوعات ہی پر ہیں مثلاً قرونِ وسطیٰ کے برعظیم کے حوالے سے ان کے مقالات میں سے ایک مقالہ برعظیم میں ترکوں کے ابتدائی عہد کے بارے میں ہے[۳۲] اور ایک مغلوں کے سیاسی دباؤ پر ہے[۳۳]۔ ایک مقالہ ایسے صفوی شعرا کے بارے میں ہے، جو ہندوستان آئے تھے[۳۴]۔ ایرانی شعرا کے ہندوستان آنے سے یہاں تشکیل پانے

والے "سبکِ ہندی" کے بارے میں بھی ان کا ایک مقالہ ایک مجموعہ مقالات میں جسے ویلیڈ امینورسکی کی یاد میں سی ای باز ورتھ نے Iran and Islam کے نام سے مرتب کیا تھا، شائع ہوا(۳۵)۔

برعظیم میں علما کی حیثیت اور ان کے سیاسی و اصلاحی کردار کے بارے میں عزیز احمد کے کئی مقالات ہیں۔ ان میں سے ایک سلطنت دہلی کے عہد میں علما اور سلاطین کے روابط کے بارے میں ہے(۳۶)، ایک مقالہ علما کی اصلاحی تحریکات پر ہے(۳۷) ایک ان کے سیاسی کردار کے بارے میں ہے(۳۸)۔اسی نوع کا ایک مقالہ شیخ احمد سرہندی کے بارے میں ہے(۳۹) اور ایک شاہ ولی اللہ کے بارے میں ہے(۴۰)۔ برعظیم میں مسلمانوں کے عروج و زوال کے تحقیقی جائزے پر مشتمل ان کے مقالات Cambridge History of Islam (۴۱) میں بھی شامل ہیں اور اسی انداز کا ایک مقالہ سی ای باز ورتھ اور جوزف شاخت کی مرتبہ کتاب Legacy of Islam میں بھی شامل ہے(۴۲)۔اردو زبان و ادب کے بارے میں ان کے دو جامع مقالات شیخ محمد اکرام اور پرسیول اسمتھ کی مرتب کتاب Cultural Heritage of Pakistan(۴۳) اور Cambridge History of Islam میں شائع ہوئے۔ ان کے دیگر متعدد مقالات ایسے ہیں جو قدرے رد و بدل کے بعد ان کی مستقل تصانیف میں شامل ہو گئے یا پھر وہ ان ہی مذکورہ موضوعات پر مشتمل ہیں لیکن انگریزی کے بجائے فرانسیسی، جرمنی یا اطالوی زبانوں میں لکھے گئے ہیں۔ ان کے ایسے مقالات جن کی تعداد پانچ درجن سے زیادہ ہے اور جن کا احاطہ کرنا یہاں مشکل ہے، اپنے موضوعات، اپنے تحقیقی معیار اور استناد کے لحاظ سے مستقل اہمیت رکھتے ہیں۔ انھوں نے اپنے ہر مقالے پر ایسی ہی دل جمعی سے محنت کی ہے جو ان کی ضخیم اور مستقل تصانیف میں نظر آتی ہے۔

عصری اور بنیادی مآخذ سے استفادے کا اہتمام ان کی تقریباً ہر تحریر کی شان ہے اور اس کا التزام انھوں نے ہر موقعے پر کیا ہے کہ بنیادی مآخذ کو سامنے رکھ کر نتائج اخذ کیے جائیں۔ اس ضمن میں ان کی کثیر اللسانی مہارت بھی ان کے لیے بڑی معاون رہی ہے۔ انگریزی، اردو، فرانسیسی، جرمنی اور اطالوی میں تو انھوں نے لکھا ہی ہے لیکن عربی، فارسی اور ترکی زبان کی کتابوں سے انھوں نے خاطر خواہ استفادہ کیا ہے۔ آج کے دور میں کسی محقق کا اس قدر کثیر اللسان ہونا، بہر حال کم یاب ہے۔ مغرب میں بھی اس نوع کی مثالیں کم ہی نظر آتی ہیں۔ پاکستان میں محض اشتیاق حسین قریشی، ریاض الاسلام، سیّد معین الحق، اے ایس بزمی انصاری وغیرہ نے فارسی، عربی اور اردو مآخذ سے استفادہ کرتے ہوئے اپنی تحقیقات کو بنیادی اور عصری مآخذ کے استناد سے مالا مال کیا ہے۔ جب کہ جنوبی ایشیا کے حوالے سے کوئی تحقیقی کام ان زبانوں کی واقفیت کے بغیر مستند، معیاری اور قابلِ بھروسا نہیں ہو سکتا۔ مغرب سے تعلق رکھنے والے موجودہ دور کے محققین، جو برعظیم سے متعلقہ موضوعات پر تحقیق کرتے ہیں، بہت کم یہاں کے راست، بنیادی اور عصری ماخذ سے استفادہ کرتے ہیں۔ زیادہ تر محققین کا انحصار ان مآخذ پر ہوتا ہے جو انگریزی میں منتقل ہو گئے ہیں۔ یہ

امر اب بحث طلب نہیں کہ انگریزی میں منتقل ہونے والی کتابوں کا ترجمہ بالعموم اور غلط ہوا ہے۔ اس لیے ایسے محقق جو ترجمہ شدہ مآخذ سے استناد کا کام لیتے ہیں، وہ زیادہ قابلِ بھروسا نہیں ہوسکتے۔ قرونِ وسطیٰ بل کہ انیسویں صدی کے اختتام تک اسلام اور مسلمانوں کے حوالے سے کسی بھی موضوع پر تحقیق کے لیے عربی و فارسی مآخذ سے کبھی گریز ممکن نہیں۔ اب یہی بات اردو کے بارے میں کہی جاسکتی ہے۔ برطانوی عہد اور بالخصوص انیسویں اور بیسویں صدی کے اہم مآخذ اردو زبان میں ہیں۔ اس لیے اردو زبان میں موجود مآخذ سے استفادہ کیے بغیر اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں اب کوئی بھی تحقیقی کام مستند اور معیاری نہیں ہوسکتا۔ چناں چہ عہدِ جدید کے تاریخ نویسوں میں، جنھوں نے برعظیم میں اسلام اور مسلمانوں کے تعلق سے تحقیقی مطالعے کیے ہیں، اشتیاق حسین قریشی، عزیز احمد، شیخ محمد اکرام، سیّد معین الحق، حفیظ ملک، ریاض الاسلام، کے کے عزیز، بزمی انصاری، شریف المجاہد اردو زبان سے اپنی نسبت کے ساتھ ساتھ اس میں دستیاب مآخذ سے خاطر خواہ استفادہ کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے اس عہد پر کیے جانے والے تحقیقی کام، اگر ان مذکورہ مؤرّخین نے انجام دیے ہیں، اور اگر وہ تحقیق کے سائنٹفک اصولوں اور معیار کے مطابق ہیں، تو وہ مغرب کے ان محققوں سے کہیں زیادہ قابلِ بھروسا اور مستند ہیں جو ثانوی اور مستعار حوالوں اور بالواسطہ مآخذ کی مدد سے کیے گئے ہیں۔

عزیز احمد اور اشتیاق حسین قریشی کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ ان دونوں نے تاریخ نویسی سے قبل اردو ادب میں اپنی عمدہ تخلیقی صلاحیتوں کا اظہار بھی کیا ہے۔ عزیز احمد نے ناول، افسانے، ڈرامے اور تنقید میں اپنی عمدہ تخلیقی صلاحیتوں کا اظہار کیا اور ڈاکٹر قریشی بھی ایک ڈراما نگار اور ناول نویس تھے۔ ان دونوں نے تاریخ نویسی میں خاصے مشترک موضوعات کا انتخاب کیا۔ اردو زبان میں ہماری قومی اور سیاسی زندگی کے اہم مآخذ ان دونوں کے پیشِ نظر رہے اور ان دونوں نے جو تحقیقی کام کیے، وہ بلاشبہ دیگر تمام پاکستانی اور بھارتی تاریخ نویسوں اور محققین کے مقابلے میں زیادہ مؤثر، معیاری اور فکر انگیز سمجھے جاسکتے ہیں لیکن ان دونوں میں عزیز احمد کے موضوعات زیادہ متنوع اور مفصل ہیں اور ڈاکٹر قریشی کے مقابلے میں تاریخ نویسی اور تحقیق میں ان کی کاوشیں تعداد کے لحاظ سے بھی زیادہ ہیں۔

یہی اسباب ہیں کہ جن کے باعث ترقی یافتہ علمی دنیا میں عزیز احمد کی قدر و ستائش، تقریباً تمام پاکستانی تاریخ نویسوں کے مقابلے میں زیادہ ہوئی ہے اور مغرب میں ان کے علمی و تحقیقی کاموں کو عام طور پر سراہا گیا ہے۔ ہمارے لیے عزیز احمد اس لیے اہم ہیں کہ انھوں نے نہ صرف خود کو ایک ممتاز ادیب اور تاریخ نویس کی حیثیت میں برعظیم پاک و ہند اور اس کے باہر کی علمی دنیا میں متعارف کرایا بل کہ ہندوستانی اسلام، تہذیب اور مسلمانوں کے مسائل کو متوازن مطالعہ و تجزیہ کے ساتھ علمی دنیا کے سامنے پیش کیا۔ اس لحاظ سے عزیز احمد، اقبال کے بعد پہلی شخصیت ہیں

جنھوں نے اقبال کی فکرِ اسلامی سے قطع نظر، ہندوستانی اسلام اور مسلمانوں کی تہذیب و فکر کی ارتقائی کیفیت کو مغرب کی ترقی یافتہ علمی دنیا میں بر انداز (Project) کیا ہے۔

اس بنا پر کہ اردو ادب میں عزیز احمد کی خلّاقانہ حیثیت کسی اعتبار سے متنازع نہیں، یہ سوال بجائے خود کم اہم نہیں کہ آیا وہ تاریخ میں ایک خلّاق ادیب کی حیثیت میں تادیر زندہ رہیں گے یا ایک نمائندہ پاکستانی تاریخ نویس کی حیثیت میں؟

حوالہ جات

۱۔ عزیز احمد ۱۱ر نومبر ۱۹۱۳ء کو حیدر آباد دکن میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۳۴ء میں جامعہ عثمانیہ سے اور ۱۹۳۸ء میں لندن یونی ورسٹی سے بی اے کی اسناد حاصل کیں۔ لندن یونی ورسٹی ہی سے ۱۹۷۲ء میں انھیں ڈی لٹ کی سند بھی دی گئی۔ ۱۹۳۸ء سے جامعہ عثمانیہ میں تدریسی فرائض انجام دینے شروع کیے۔ سقوطِ حیدر آباد (ستمبر ۱۹۴۸ء) کے بعد پاکستان میں کراچی منتقل ہو کر ریڈیو پاکستان سے منسلک ہوئے اور اطلاعات و فلم کے محکمے میں ڈائریکٹر کے عہدے تک ترقی کی۔ ۱۹۵۷ء میں انھیں ''لندن اسکول آف اورینٹل اینڈ ایفریکن اسٹڈیز'' میں اردو اور ہندوستانی اسلام کی تدریس کے لیے مدعو کیا گیا جہاں وہ ۱۹۶۲ء تک رہے اور پھر ٹورنٹو یونی ورسٹی (کینیڈا) کے شعبۂ معارفِ اسلامیہ سے منسلک ہوگئے۔ ان کا انتقال ۱۶ر دسمبر ۱۹۷۸ء کو ہوا۔

۲۔ آکسفورڈ یونی ورسٹی، لندن

۳۔ مطبوعہ ۱۹۴۵ء

۴۔ مطبوعہ، ۱۹۴۷ء

۵۔ مطبوعہ ۱۹۴۸ء

۶۔ مطبوعہ مارچ ۱۹۴۷ء

۷۔ مطبوعہ ۱۹۴۷ء

۸۔ اورنگ آباد، جولائی ۱۹۳۴ء

۹۔ کراچی، جنوری۔ اپریل ۱۹۵۰ء

۱۰۔ مطبوعہ ہیگ، ۱۹۶۲ء

۱۱۔ مطبوعہ کراچی، ۱۹۷۰ء

۱۲۔ مطبوعہ کراچی ۱۹۸۰ء

۱۳۔ مثلاً محمد مجیب(Indian Muslims لندن، ۱۹۶۶ء)، خلیق احمد نظامی ''سلاطینِ دہلی کے مذہبی رجحانات'' (دہلی، ۱۹۵۸ء) اور Religion and Politics in India during the Thirteenth Century(بمبئی، ۱۹۶۱ء) وغیرہ میں ملتے ہیں یا ضمنی طور پر سری رام شرما کی تصنیف The Religious Policy of Mughal Emperors(لندن، ۱۹۶۲ء)، مکھن لال رائے چودھری کی تصنیف) The State and Religion in Mughal India کلکتہ، ۱۹۵۱ء) اور پیٹر ہارڈی کے مقالے Islam in Medieval India مشمولہ Sources of Indian Tradition مرتبہ ڈبلیو، ٹی، ڈی باری (نیویارک، ۱۹۵۸ء) میں ان موضوعات کی جھلک ملتی ہے۔

۱۴۔ مطبوعہ واشنگٹن، ۱۹۶۳ء

۱۵۔ مثلاً ہندو تہذیب پر مسلمانوں کے اثرات کا ایک اچھا مطالعہ، اس موضوع پر ڈاکٹر تارا چند کی معروف تصنیف(Influence of Islam on Indian Culture الٰہ آباد، ۱۹۴۶ء) میں ہے، اس کے برعکس مسلمانوں پر ہندو تہذیب کے اثرات کا جائزہ محمد عمر کی اردو تصنیف ''ہندوستانی تہذیب کا اثر مسلمانوں پر'' (دہلی، ۱۹۷۵ء) پھر کنور محمد اشرف کی تصنیف Life and Conditions of the People of Hindustan(کلکتہ، ۱۹۳۵ء) اور محمد یٰسین کی تصنیف A Social History of Islamic India(دہلی، ۱۹۵۸ء) میں ہے۔

۱۶۔ مطبوعہ کراچی، ۱۹۷۹ء

۱۷۔ مطبوعہ لاہور، ۱۹۷۰ء

۱۸۔ غیر ملکی مصنّفین میں بالخصوص سیّد اطہر عباس رضوی کی تصانیف :(۱) Revivalist Movements in Northern India، آگرہ، ۱۹۶۵ء:(۲) Religious and Intellectual History of the Muslims in Akbar's Reign(دہلی، ۱۹۷۵ء) میں بھی ان موضوعات کا محققانہ احاطہ کیا گیا ہے۔

۱۹۔ مطبوعہ آکسفورڈ، ۱۹۶۷ء

۲۰۔ مطبوعہ کراچی، ۱۹۷۲ء

۲۱۔ مطبوعہ پرنسٹن، ۱۹۸۲ء

۲۲۔ بالخصوص ایل ایس مے (L.S.May) کی تصنیف Evolution of Indo-Muslim Thought After 1857 (لاہور، ۱۹۷۰ء) اسی موضوع اور عہد پر مشتمل ہے۔ فری لینڈ ایبٹ کی تصنیف Islam and Pakistan (نیو یارک، ۱۹۶۸ء) یا ڈبلیو سی اسمتھ کی اس موضوع پر مفصل تصنیف Modern Islam in India (لاہور، ۱۹۴۶ء) یا ان ہی کی ایک دوسری تصنیف Islam in Modern History (نیو یارک، ۱۹۵۹ء) اور پی ہارڈی کی تصانیف Muslims in British India (کیمبرج، ۱۹۷۲ء) اور Partners in Freedom and True Muslims (لندن، ۱۹۷۱ء)، کینتھ کریگ کی تصنیف Councils in Contemporary Islam (ایڈیٹر، ۱۹۶۵ء)، ای آئی جے روز نتھال کی تصنیف Islam in Modern National State (کیمبرج، ۱۹۵۶ء) اور لیونارڈ بنڈر کی تصنیف Religion and Politics in Pakistan (برکلے، ۱۹۶۱ء) میں ضمنی مباحث کے ساتھ یہی موضوع زیرِ بحث آیا ہے لیکن عزیز احمد نے اس موضوع کے خصوصی اور مفصل مطالعے کا حق ادا کیا ہے۔ مجموعی طور پر اس تصنیف کو ایل ایس مے کی تصنیف کے مقابل رکھ کر دیکھا جاسکتا ہے۔ لیکن عزیز احمد کی تصنیف اس موضوع پر پہلی مبسوط کاوش ہے اور یہ مفکرین کے انفرادی مطالعے کے حوالے سے موضوع کا احاطہ کرتی ہے، جب کہ مے کی تصنیف چھے سال بعد لکھی گئی ہے اور اس کا مقصد محض یہ دیکھنا تھا کہ تحریکِ پاکستان کے محرکات کیا تھے اور قیامِ پاکستان کے بعد مملکت کی نوعیت کیا رہی؟

۲۳۔ مطبوعہ ایڈنبرا، ۱۹۶۹ء

۲۴۔ مطبوعہ ویزبدین، ۱۹۷۰ء

۲۵۔ مطبوعہ لندن، ۱۹۶۷ء

۲۶۔ جلد دوم، جولائی، ۱۹۷۱ء

۲۷۔ مطبوعہ لاہور، سنہ ندارد

۲۸۔ مطبوعہ لکھنؤ، ۱۹۱۹ء

۲۹۔ مطبوعہ اعظم گڑھ، ۱۹۳۳ء۔ ۱۹۳۶ء

۳۰۔ مطبوعہ کتانیا، ۱۹۳۳ء۔ ۱۹۳۹ء

۳۱۔ مطبوعہ ایڈنبرا، ۱۹۷۵ء

۳۲۔ مشمولہ Turcica، توم، ۱۹۷۷ء

۳۳۔ مشمولہ Central Asiatic Journal، ۱۹۶۱ء

۳۴۔ مشمولہ(Iran برٹش انسٹی ٹیوٹ آف پرشین اسٹڈیز کا مجلہ)،۱۹۷۶ء

۳۵۔ مطبوعہ ایڈنبرا، ۱۹۷۱ء

۳۶۔ مشمولہ Der Islam، ۱۹۶۲ء

۳۷۔ یہ اے ایل باشم کی مرتبہ کتاب(A Cultural History of India آکسفورڈ، ۱۹۷۵ء) میں شائع ہوا۔

۳۸۔ مشمولہ Studia Islamica: ۱۹۷۰ء

۳۹۔ مشمولہ Revista Degli Studi Orientali: ۱۹۶۱ء

۴۰۔ مشمولہ The Muslim World: ۱۹۶۲ء

۴۱۔ مطبوعہ کیمبرج، ۱۹۷۰ء

۴۲۔ مطبوعہ آکسفورڈ، ۱۹۷۳ء

۴۳۔ مطبوعہ کراچی، ۱۹۵۵ء

References in Roman Script:

1. Aziz Ahmed 11 Nov 1913 ko Hyderabad Dakin main Paida hue. 1934 main Jamia Usmania sy or 1938 main London University sy BA ki asnad hasil ki. London University hi sy 1972 main unhain D.Litt ki sanda bhe di gai. 1938 sy Jamia Usmania main tadrsisi faraiz anjam deny shuru kiy. Saqoot e Hyderabad (Sep 1948) k bad Pakistan main Karachi muntaqil ho kar Radio Pakistan sy munsalik hue or Itelat wa Film k mehkmy main director k ohdy tak taraqi ki. 1957 main unhain "London School of Oriental and Africian Studies" main Urdu or Hindustani Islam ki tadrees k liy maduo kia gea jaha ow 1962 tak rahy or phr Totronto University (Canada) k shuba Muarif e Islamia sy munsalik ho gaey . Unka entiqal 19 Dec 1978 ko hua.
2. Oxford University, London.
3. Matbooa 1945
4. Matbooa 1947
5. Matbooa 1948
6. Matbooa March 1947
7. Matbooa 1947
8. Orang Abad, July 1934
9. Karachi, January-April, 1950

10. Matbooa Haig, 1962
11. Matbooa Karachi, 1970
12. Matbooa Karachi, 1980
13. Masla Muhammad Mujeeb (Indian Muslims London 1966), Khaliq Ahmed Nizami, Salateen Delhi k Mazhabi Rujhanat (Delhi 1958) or Religion and Politics in India during the Thirteenth Century, Bombay, 1961, Wagera main milty hain ia zamni tor par Sirsiri Ram Sharma ki tasanif The Religious Policy of Mughal Emperors, London 1962), Makhan Lal Raey Ch ki tasnif) The State and Religion in Mughal India Kulkata 1951, or Peter Hardi k maqaly Islam in Medieval India Mashmoola Source of Indian Tradition Muratba W.T.D Bari (Newyork 1958) main un k mozuat ki jhalak milti hy.
14. Matbooa Washington, 1963
15. Maslan Hindu Tehzeeb par Mulslamno k Asrat ka ek acha mutalia, is mozu par Dr. Tara Chand ki maroof tasnif (Influence of Islam on Indian Culture Alabadi 1946) main hy, is k baraks Muslamano par indu Tehzeeb k asrat ka jaiza Muhammad Umar ki Urdu Tasnif “Hindustani Tezeeb ka asar Muslamano par, (Delhi 1975)phr Kanwar Muhammad Ashraf ki tasnif (Life and Conditions of the People of Hindustan)Kulkata 1935) or Muhammad Yasin ki tasnif A Social Hisotry of Islamic India Delhi 1958 main hy.
16. Matbua Karachi, 1979
17. Matbooa Lahore, 1970
18. Ghair Mulki Musanfeen main bilkhasoos Syed Athar Abbas Rizvi ki tasanif) Reviavalist Movements in Northern Inida Agra, 1965, (Religious and Intellectual), (History of the Muslims in Akbar's Reign, Delhi 1975), main bhe in mozuat ka muhaqqiqana ehata kia gia hy.
19. Matbooa Oxford, 1967
20. Matbooa Karachi, 1972
21. Matbooa Parisnton, 1982
22. Bilkhasoos L S My ki tasnif Evolution of Indo-Muslim Thought After 1857 (Lahore 1970) isi mozoo or ehad par mushtamil hyl Fre land Abot ki tasnif Islam and Pakistan, New york 1968) ya WC Smith ki is mozoo par mufasil tasnif Modern Islam in India) Lahor 1946, ya in he ki ek dusri tasnif Islam in Modern History (New York 1959) or PRD ki tasanif (Muslim in British India Cambridge 1972) or (Partners in

Freedon and True Muslim) London 1971, Cabinth Kareg ki tasnif (Council in Contemporary Islam) Editor 1965, EIJ Roz Nithal ki tasnif (Islam in Modern National State) Cambridge 1956 or Leunardabnd ki tasnif Religion and Politics in Pakistan) Barkaly 1961, main zamni mubahis k sath yehi mozi zer e behas ayah y lekin Aziz Ahmed ny is Mozu k khasusi or mufasil mutaley ka haq ada kia hy. Majmooi tor par is tasnif ko LSMay ki tasnif k muqabil rakh kar dekha jaskata hy lekin Aziz Ahmed ki tasnif is mozo par pehli masbot kavish hy or yeh mufakrin k infradi mutaley k hallway sy mozo ka ehata krti hy jab k my ki tasnif chey sal bad likji gai hy or is ka maqsad mehaz yeh dekhna tha k tehreek e Pakistan k muharkat kia they or qeyam e Pakistan k bad mumlikat ki nowyat kia rahi?

23. Matbooa Ednabra, 1969
24. Matbooa Wezbadeen, 1970
25. Matbooa London, 1967
26. Jlid Dom, July 1971
27. Matbooa Lhore, San Nadarad
28. Matbooa Lakhno, 1919
29. Matbooa Azam Garh, 1933, 1936
30. Matbooa Kutania, 1933-1939
31. Matbooa Ednabra, 1975
32. Mashmoola Turcica, Tom, 1977
33. Mashmoola Central Asiatic Journal, 1961
34. Mashmoola (Iran British Institute of Persian Studies ka mujalla), 1976
35. Matbooa Ednabra, 1971
36. Mashmoola, Der Islam, 1962
37. YehA L Bashim ki Muratba Kitab (A Cultural History of India Oxford 1975) main shaya hua.
38. Mashmoola Studia Islamica, 1970
39. Mashmoola Revista Degli Studi Oriental, 1961
40. Mashmoola The Muslim World, 1962
41. Matbooa Cambridge, 1970
42. Matbooa Oxford, 1973
43. Matbooa Karachi, 1955